© rasailojaraid.com

اسلامی سربراہِ مملکت کے مالیاتی اور صوابدیدی اختیارات

ڈاکٹر حافظ محمود اختر، ادارہ علوم اسلامیہ جامعہ پنجاب

اسلامی ریاست کے سربراہِ مملکت کے مالیاتی اختیارات کا مسئلہ بہت اہمیت کا حامل ہے جسطرح اسلامی ریاست عام ریاستوں سے امتیازی حیثیت رکھتی ہے، اسی طرح اس کے سربراہ کے اختیارات و فرائض اور اس کی حیثیت بھی جُداگانہ ہوتی ہے۔ اسلامی خلیفہ بنیادی طور پر ایک طرف اللہ کا نائب ہوتا ہے اور دوسری طرف وہ عوام کا نمائندہ اور ان کی جانب سے امانت کا امین ہوتا ہے۔ اللہ کا نائب ہونے کے ناطے وہ احکامِ الٰہی ہی مملکت میں نافذ کرتا ہے منصوص احکام میں کسی تبدیلی کا اسے اختیار نہیں ہوتا۔ وہ اقتدار اور حکومت کو بطور امانت کے استعمال کرتا ہے اور اگر وہ اس سلسلے میں کسی کوتاہی کا مرتکب ہوتا ہے تو گویا اس نے امانت میں بددیانتی کی ہے۔

أن أبا ذر سأل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الامارة فقال له رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انها امانة، وانها یوم القیامة حسرة وندامة، الا من اخذها بحقها وأدی الذی علیه فیها[1]

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاریؓ نے حضور اکرم صلعم سے امارۃ (حکومت) کے بارے میں سوال کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ حکومت ایک امانت ہے اور قیامت کے روز یہ حسرت وندامت کا باعث ہوگی سوائے اس شخص کے جس نے اسے حق کے ساتھ قبول کیا اور اس کے تمام حقوق ادا کرتا رہا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امام ابن تیمیہؒ اس حدیث کی روشنی میں فرماتے ہیں کہ :

وقد دلّت سنة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ان الولایة امانة یجب اداؤھا فی مواضع ہا [۱]

سنت رسولؐ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ولایت وحکومت ایک امانت الٰہی ہے جسے اس کے اہل مقام پر ادا کرنا واجب ہے ۔

حضور صلعم نے ایک اور موقع پر فرمایا :

کلکم راع ، وکلکم مسئول عن رعیته ، فالامیر الذی علی الناس راع علیھم وھو مسئول عنھم [۲]

تم میں سے ہر شخص چرواہا ہے اور ہر ایک سے قیامت کے دن اپنی رعیت کے بارے میں باز پرس ہوگی ۔

اس حدیث مبارکہ کی روشنی میں امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں :

"والی حکومت رعایا کا ایسا ہی راعی ہے جس طرح گڈریا بکریوں کی رکھوالی کرتا ہے [۵]"

مسلم شریف میں روایت ہے حضور اکرم صلعم نے فرمایا :

ما من عبد یسترعیہ اللہ رعیة یموت یوم وھو غاش لرعیته الا حرّم اللہ علیه الجنة [۶]

کوئی ایسا شخص نہیں جسے رعیت دی گئی پھر وہ جس دن مرے ، وہ خیانت کرنے والا ہو تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دیں گے ۔

امام ابن تیمیہ نے ابو مسلم خولانی کا حضرت امیر معاویہؓ کے ساتھ ایک مکالمہ نقل کیا ہے جس میں ابو مسلم خولانی نے امیر معاویہؓ سے فرمایا کہ تم حقیقت میں مزدور ہو ۔ ان بھیڑ بکریوں کو چرانے کے لیے تمہیں مزدوری پہ رکھا ہوا ہے ۔ اگر تم نے ان کی خبر گیری اچھی طرح سے کی اور جو بیمار ہوئیں ان کا علاج کیا تو تمہارا آقا تمہیں پوری اُجرت دے گا اور اگر تم نے ان کی حفاظت اچھی طرح سے نہ کی تو ان کا مالک تمہارے ساتھ غضب ناک ہوگا ۔ اسی طرح انسان ، اللہ کے بندے ہیں اور والیانِ ریاست اللہ کے بندوں پر اس کے نائب ہیں ۔ دوسرے معنی میں وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بندوں کے لیے وکیل ہیں جس طرح شرکار کسی کام میں باہم کسی کام میں شراکت رکھتے ہوں جب ولی اور وکیل اپنے کاموں کے لیے کسی دوسرے کو اپنا نائب بنائیں اور اس شخص کو نظر انداز کر دیں جو تجارت یا زراعت کے انتظام کی اس سے زیادہ قابلیت رکھتا ہو یا شراکت کا مال و اسباب کم قیمت پر فروخت کر دیں حالانکہ اس سے زیادہ رقم دینے والا گاہک مل سکتا تھا تو انہوں نے اپنے رفیق کار کے ساتھ خیانت کی [۷]

حضور اکرم صلعم نے ارشاد فرمایا :

إنّی - واللہ - لا أعطی أحدًا ولا أمنع أحدًا ، وإنما أنا قاسم أضع حیث أمرت [۸]

خدا کی قسم بے شک میں نہ کچھ دینے والا ہوں اور نہ کچھ روکنے والا میں تو جس طرح مجھے حکم دیا جاتا ہے اس کے مطابق تقسیم کرتا ہوں ۔

اس حدیث مبارکہ پر تبصرہ کرتے ہوئے امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں :

والیانِ ملک اور افسرانِ مال کے لیے جائز نہیں کہ اموال کو اپنی خواہشات کے مطابق اسی طرح خرچ کریں جس طرح مالک اپنی ملکیت کی چیز خرچ کرتا ہے ۔ وہ بلا شبہ امین اور نائب ہیں اور وہ ان کے ہرگز مالک نہیں ہیں [۹]

حضرت عمرؓ نے بطور خلیفہ لوگوں کے ذہنوں میں یہ شعور و احساس پیدا فرمایا کہ کسی کی دولت درحقیقت ایک امانت ہے جو اس کے پاس رکھی ہوئی ہے ۔ یہ دولت درصل اسکے تصرف میں دی گئی ہے ۔ آپؓ نے فرمایا :

إنی قد حلت بینکم وبین مکاسب المال ، فایکم کان له مال فانه مهما تحت ایدینا فلا یترخص احدکم فی البرذعة او الحبل ، او القتب ، فان ذلك للمسلمین لیس احد منهم وله فیه نصیب ، فان کان لانسان واحد راه عظیما ، وان کان لجماعة المسلمین ارخص فیه ؟ وقال : مالا اللہ [۱۰]

تم میں سے کوئی شخص جانور کی پشت پر رکھے جانے والے نمدہ رسی یا پالان کو حقیر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہ جاننے ۔ یہ عامتہ المسلمین کی دولت ہے ۔ کوئی مسلمان بھی ایسا نہیں کہ اس میں اسکا حصّہ نہ ہو۔ یہ اشیاء جب کسی کی انفرادی ملکیت میں ہوتی ہیں تو وہ اسے بڑی چیز سمجھتا ہے لیکن اگر مشترکہ ملکیت میں ہوتی ہے تو وہ اسے بے وقعت سمجھتا ہے اور یہ کہہ کر ٹال جاتا ہے کہ یہ اللہ کا مال ہے۔

حضرت عمرؓ نے بیت المال میں اپنے حق کے بارے میں ایک مرتبہ فرمایا:

الا اخبركم بما استحل من مال الله ؟ حلتين : حلة الشتاء والقيظ وما أحج عليه واعتمر من الظهر ، وقوت اهلى كرجل من قريش ، ليس باغناهم ولا بأفقرهم ثم انا رجل من المسلمين ، يصيبني ما يصيبهم [۱۱]

میرے لیے بیت المال میں سے دو جوڑے کپڑے ، ایک سردی کے لیے ایک گرمی کے لیے ایک سواری ، ایک متوسط درجہ کے قریشی کے معیار کے مطابق اہل وعیال کے گزربسر کے لیے خرچہ حلال ہے ۔ اس کے علاوہ بیت المال میں سے جو عام آدمی کو ملے گا وہی مجھے ملے گا۔

حضور اکرم صلعم کا اپنا معمول تھا کہ اپنی ذاتِ مبارکہ پر اسی قدر خرچ فرماتے جتنی اجازت آپ کو کتاب اللہ کے احکام سے ملتی ۔ آپ بیت المال کو سرکاری خزانہ سمجھتے ۔ آپ اپنے آپ کو عام مسلمانوں سے اونٹ کے ایک بال کا بھی زیادہ حق دار نہ سمجھتے تھے [۱۲]

حضورؐ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ اس بات کا ثبوت مہیا کرتا ہے کہ آپؐ نے تو بیت المال میں سے وہ حصّہ بھی نہ لیا جس کی اجازت آپؐ کو تھی ۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ کے در دولت پر تین دن تک مسلسل کبھی گیہوں کی روٹی نہ پکتی تھی ۔ اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ایک چاند کے بعد دوسرا چاند آجاتا لیکن ہمارے گھر میں چولہا نہ جلتا تھا۔ کھجور اور جو پر گزارا کیا جاتا [۱۳]

حضورؐ کو شرعی اعتبار سے استحقاق کی بنیاد پر جو کچھ بیت المال سے ملتا وہ سب کچھ بھی لوگوں میں تقسیم فرما دیتے [۱۴]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضور اکرم صلعم اور خلفائے راشدینؓ نے اپنی زندگیوں کا معیار ایسا رکھا کہ جو ایک عام سے عام شہری کا ہو۔ اس کا سبب یہ تھا کہ خلیفہ کم سے کم معیار کے شہری کے مسائل و مشکلات سے آگاہ رہے اور کسی کو یہ اعتراض کرنے کا موقع نہ ملے کہ خلیفہ اپنی زندگی کو عیش پرستی پر لگا رہا ہے۔ اپنے معیارِ زندگی کو کم سے کم معیار پر رکھنے کا ایک نفسیاتی فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ عوام کے دلوں میں خلیفہ کے لیے ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں کہ وہ ان ہی کی طرح زندگی گزارتا ہے۔ اس کے برعکس اگر عوام غریب ہوں اور حکمران عیش پرستی میں لگ جائیں تو ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے نفرت و کدورت پیدا ہو جاتی ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ بنائے گئے تو انہوں نے خطبہ ارشاد فرمایا:

قد علم قومی ان حرفتی لم تکن لتعجز عن مؤونة اهلی، وقد شغلت بأمر المسلمین، فسیأکل آل۔ (وقال اهل) ابی بکر من هذا، واحترف للمسلمین فیه[15]

ترجمہ: میری قوم بخوبی جانتی ہے کہ میرا کاروبار میرے اہل و عیال کی کفالت سے عاجز نہیں ہے مگر میں اب مسلمانوں کے معاملات میں مشغول کر دیا گیا ہوں۔ لہٰذا اب ابوبکر کے اہل و عیال کی قوت لایموت بیت المال سے ملے گا اور ابوبکر مسلمانوں کی خدمت بجا لائے گا۔

حضرت عمرؓ کے اس طرح کے خطبہ کا ذکر ہم نے گذشتہ سطور میں کیا ہے۔ ایک اور موقع پر انہوں نے فرمایا:

"مجھے تمہارے مال میں اسی قدر حق ہے جس قدر کہ یتیم کے مال میں سے۔ اگر میں غنی ہوں تو بیت المال سے کچھ نہ لوں گا اور اگر ضرورت مند ہوں گا تو دستور کے مطابق کھانے کیلیے لوں گا۔"[16]

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بارے میں یہ واقعہ تو ہر ایک کو معلوم ہے کہ زوجہ محترمہ نے تھوڑا تھوڑا آٹا جمع کر کے گھر میں کوئی میٹھی چیز پکالی۔ آپؓ نے اتنی مقدار کا آٹا بیت المال سے کم کروا دیا۔[17] وفات سے قبل آپؓ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا کہ میرے بعد ہمارے پاس بیت المال کی جو چیز بھی موجود ہو، وہ عمرؓ کو واپس کر دینا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ ابو بکر صدیقؓ نے بعد میں آنے والوں کو مشکل میں ڈال دیا۔[18]

بیت المال خلیفہ کے لیے بطور امانت کے ہوتا ہے۔ اس بات کو حضرت عمرؓ نے یوں سمجھایا کہ میری اور لوگوں کی مثال ایک جماعت کی سی ہے جو سفر پر تھی۔ انہوں نے سفر میں شریک تمام لوگوں سے تھوڑا تھوڑا مال لے کر اس غرض سے ایک شخص کے پاس رکھ دیا کہ وہ حسب ضرورت سب خرچ کرتا رہے۔ کیا اس شخص کے لیے حلال ہے کہ ان کا مال خرچ کرتے وقت ان پر اپنے آپ کو ترجیح دے۔[19]

حضرت عثمان غنیؓ مالی اعتبار سے بھی خاصے مضبوط تھے۔ اس کے باوجود آپؓ نے خلیفہ ہوتے ہوئے اپنا معیار زندگی اپنے پیش رو خلفاء کی طرح ایک عام آدمی کے معیار پر رکھا۔ بیت المال سے کچھ بھی نہیں لیا۔ بلکہ اپنی جیب خاص سے مملکت کے لیے خرچ کیا۔

ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ خلفاء نے کھانے کی اشیاء میں سے گھی وغیرہ کا استعمال چھوڑ دیا۔ گھی پیش کیا گیا لیکن امیر المؤمنین پوچھتے ہیں کہ کیا مدینے کے ہر شخص کو گھی مل رہا ہے؟ جواب دیا گیا کچھ لوگوں کو مل رہا ہے اور کچھ کو نہیں۔ فرمایا عمر اس وقت تک گھی استعمال نہیں کرے گا۔ جب تک کہ ہر شخص تک گھی پہنچا نہ دے۔[20]

ظاہر ہے اگر حکمرانوں کو عوام کے حقوق اور ضروریات کی تکمیل کی اتنی فکر ہو گی تو پھر عوام بھی اس کے اشارے کی منتظر ہو گی۔ اسی طرح کی پالیسی کے نتیجے میں عوام کو حکمرانوں کا گرویدہ اور حکمرانوں کو عوام کا خادم بنایا جا سکتا ہے۔

امام ابن تیمیہؒ نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ آپؒ نے اپنے مرض الموت کے وقت اپنے بیٹوں کو بلایا اور فرمایا:

"اے بیٹو! میں نے تمہارے حق میں کوئی دست اندازی نہیں کی۔ تمہارا نفقہ انصاف کے ساتھ پہنچایا۔ البتہ مجھ سے یہ نہ ہو سکتا تھا کہ لوگوں کا مال تمہارے حوالے کر کے خیانت کا مرتکب ہوتا۔"[21]

یاد رہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا بطور خلیفہ طرز زندگی نہایت محتاط اور زاہدانہ تھا لیکن خلیفہ بننے سے پہلے وہ بہت امیرانہ زندگی گزارتے تھے۔ یہ تبدیلی محض اس بنیاد پر آئی کہ انہوں نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سمجھ لیا تھا کہ اب وہ لوگوں کے امین بن گئے ہیں اور اگر اب اس میں کوئی کوتاہی ہوئی تو گویا وہ امانت میں خیانت کے مرتکب ہوں گے ۔

اسلامی مملکت کے سربراہ کے مالیاتی اختیارات کے بارے میں مولانا حفظ الرحمٰن لکھتے ہیں !

ائمہ مجتہدین کے بعض جزوی اختلافات کے باوجود اس بات پر سبھی کا اتفاق ہے کہ جن مصارف کے متعلق قرآن اور حدیث کی نص وارد ہو چکی ہے وہ اسی طرح بحال رکھتے ہوئے باقی محاصل و مصارف کا معاملہ خلیفہ اور مجلسِ شوریٰ کی صوابدید پر ہے جن امور میں خلیفہ کو کسی طرح کا کوئی اختیار حاصل نہیں ہے ان میں زکوٰۃ اور غنائم خمس ہیں ۔ زکوٰۃ کے مصارف ثمانیہ سورۃ التوبہ کی آیت ۶۰ کی رُو سے متعین ہیں ۔ اسی طرح غنائم کے مصارفِ خمسہ بھی مخصوص ہیں اور جن امور میں خلیفہ مجلسِ شوریٰ کے مشورہ سے حالات کے مطابق کچھ اختیارات رکھتا ہے ان میں اموال فے ، صدقات نافلہ ۔ ہدایا ۔ قرضِ حسنہ ۔ جزیہ اور اوقفات وغیرہ ہیں انکا خرچ اور اخراجات کا تعین حضورؐ اپنی صوابدید کے مطابق فرمایا کرتے تھے [۲۲]

مالیاتی شعبہ میں خلیفہ کے اختیارات کے بارے میں فقہاء اور علماء نے اظہارِ خیال فرمایا ہے ۔ مولانا حفظ الرحمٰن اس سلسلے میں لکھتے ہیں :

امام کو اختیار حاصل ہے کہ ایک شعبہ کے محاصل اس کے مصارف کو اگر کفایت نہ کریں تو وہ دوسرے شعبہ سے قرض لے سکتا ہے ۔ فے ، خراج ، جزیہ ، خمس ، کرار الارض ، ضرائب ، عشور غیر مسلم اور اموالِ فاضلہ . . . . . کے معاملہ میں تکمیلِ مقصد کے لیے ان مدات کے مصارف میں اولی الامر کو حق مداخلت حاصل ہے . . [۲۳]

کتب فقہ میں لکھا ہے :

وعلی الامام ان یجعل لکل نوع بیتاً یخصہ ولہ ان یستقرض من احدھا لیصرفہ للاٰخر [۲۴]

امام کے لیے ضروری ہے کہ ہر نوع کے لیے الگ (بیت المال میں) شعبے قائم کرے اور اس کے لیے جائز ہے ایک شعبہ سے قرض لے کر دوسرے شعبہ میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خرچ کر دے۔

دیکھا جا سکتا ہے کہ اسلامی کا معاشی نظام کس قدر ترقی پسندانہ ہے۔ عصرِ حاضر میں اس اہتمام کی اہمیت کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے کہ میزانیہ وغیرہ میں الگ الگ مدات (Budget heads) کا تعین کر دیا جائے۔

اسلامی مملکت میں خلیفہ کی حیثیت محض ایک سربراہِ مملکت ہی کی نہیں بلکہ اسوۂ نبوی اور تعاملِ خلفائے راشدین کی روشنی میں دیکھا جائے تو وہ مسلمانوں کا غمگسار، مربّی اور ان کے معاشی، معاشرتی، دینی اور سیاسی حقوق کا محافظ ہوتا ہے۔ اسے عوام کی ضروریات کی تکمیل بہت زیادہ عزیز اور مقدّم ہوتی ہے۔ اس کی ترجیحات میں سرِفہرست یہ ہے کہ وہ دینی و دنیوی حدود کا تحفظ کرے۔

عوام کی دنیوی ضروریات کی تکمیل کا احساس ہی تھا کہ قرنِ اوّل میں سرکاری خزانہ کے منہ عوام کے لیے کھول دیے گئے تھے۔ اس بات کی پرواہ نہیں کی جاتی تھی کہ خزانہ میں دولت جمع ہے یا نہیں،

عہدِ نبوی اور خلافتِ راشدہ میں یہ طریقہ رائج تھا کہ جونہی بیت المال میں دولت آتی تو اسے فوری طور پر مستحق لوگوں میں تقسیم کر دیا جاتا[۲۵] اگرچہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا خیال ہے کہ ایک ایسا کمرہ مسجدِ نبوی کے پاس موجود تھا جس میں سرکاری مال رکھا جاتا تھا اور حضرت بلالؓ اس کی حفاظت کیا کرتے تھے[۲۶] لیکن دولت جمع رکھنے کی پالیسی موجود نہ تھی۔ گویا اسلامی حکومت سرمایہ کو زیرِ گردش رکھنے اور ضرورت مندوں کی ضروریات کی تکمیل کا اس قدر اہتمام تھا کہ ایک رات کے لیے بھی حکومت سرمائے کو خزانے میں منجمد نہیں رکھتی تھی دولت کو منجمد رکھنے کی ضرورت بھی نہیں تھی کیونکہ آج کل کی طرح ہنگامی ضروریات کی نوعیت اتنی شدید نہ تھی۔ پھر حضورؐ اپنے طرزِ عمل سے آنے والی حکومتوں کو یہ دکھانا چاہتے تھے کہ دولت کو منجمد نہیں ہونا چاہیے۔ جس طرح حضورؐ لوگوں کی ضروریات کی تکمیل کا فوری اہتمام فرماتے تھے اسی طرح اگر مملکت کو ہنگامی ضروریات لاحق ہو جاتیں تو لوگ بھی فوراً ایسی دولت حضورؐ کے قدموں میں ڈال دیتے تھے۔

اس وقت تقسیم دولت کے سلسلے میں باقاعدہ اصول کار فرما تھے۔ نظائر و شواہد سے بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بات واضح ہوتی ہے کہ قرنِ اوّل میں تقسیم دولت میں مساوات کا اصول کار فرما تھا۔ البتہ بعض اوقات ضروریات، ان کی دینی، ملی خدمات اور تالیفِ قلب کا پہلو بھی ملحوظ رکھا جاتا ہے[27]

جنگِ بدر کا مال غنیمت، بنو قینقاع کا مال غنیمت، غزوہ قروہ کا مالِ غنیمت، بنو نضیر کا مال غنیمت، خیبر کا مالِ غنیمت، ان سب اموال کی تقسیم میں مساوات کو ملحوظ رکھا گیا۔ بنو قریظہ کا مال غنیمت یوں مساوی طور پر تقسیم ہوا کہ ہر سوار کو دو حصے اور پیدل کو ایک حصہ دیا گیا۔ ایک حصہ اس کا اور ایک حصہ اس کے گھوڑے کے لیے۔ البتہ گھوڑے والوں کو برابر رکھا جاتا حتیٰ کہ حضرت عمرؓ اور حضرت بلالؓ دونوں گھوڑے والے تھے۔ انہیں برابر برابر دیا گیا[28]

حضور کے عہد میں اگرچہ بعض لوگوں کو بعض پر فوقیت دی گئی لیکن اس کے پیچھے تالیفِ قلب یا کسی کی دینی وملی خدمات کی حوصلہ افزائی اور دوسروں کے لیے ترغیب کا پہلو پیدا کرنا مطلب تھا۔ لیکن آپؐ کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہد میں اس پالیسی کی چونکہ ضرورت نہ رہی تھی اس لیے اس میں ترمیم کر دی گئی اور حقِ معیشت میں مساوات کو ہی نافذ کیا گیا[29]

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا:

اگر کسی نے دین میں کارنامے سر انجام دیے انہیں مال میں سے کوئی امتیازی حصہ نہیں ملے گا اس کارنامے کا اجر انہیں اللہ تعالیٰ ہی عطا فرمائیں گے[26] امام ابو عبید القاسم لکھتے ہیں:

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پاس کوئی مال آتا تو آپ اسے لوگوں میں برابر برابر تقسیم فرماتے امام موصوف نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کا قول نقل فرمایا ہے۔

دین کے لیے کام کرنے والوں کی بزرگیاں اللہ کے ہاں ہیں اور یہ معاش کا معاملہ ہے اس میں مساوات ہی بہتر ہے[30]

امام ابو یوسف اور امام ابو عبید القاسم نے حضرت عمرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے:

اگر میں آئندہ سال تک زندہ رہا تو پہلے لوگوں کو اور آخر والے لوگوں کو یقیناً ملا دوں گا یہاں تک کہ وہ عطایا میں برابر ہو جائیں[31]

قومی بیت المال کی آمدنی کے ذرائع میں زکوٰۃ، عشر، خراج، جزیہ، صدقات، فئی، ضرابِ کرار الارض، عشور، وقف، اموالِ فاضلہ ہیں۔ ان میں سے بعض مدات وقتی طور پر موجود نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی ہو سکتیں۔ پھر مملکت کے اخراجات اس قدر بڑھ چکے ہیں کہ عین ممکن کہ بیت المال ملکی مسائل وضروریات کا ساتھ نہ دے سکے۔ اس صورت میں اگر بیت المال کے محاصل ملکی ضروریات کی تکمیل نہ کر رہے ہوں یا کوئی ہنگامی ضرورت پیش آجائے تو عدل و انصاف کے ساتھ اہل ثروت پر ہنگامی ٹیکس عائد کیے جا سکتے ہیں۔

علامہ ابن حزم اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ ہنگامی صورتِ حال میں خلیفہ مزید ٹیکس عائد کر سکتا ہے اور اگر امراء ان کی ادائیگی کے لیے تیار نہ ہوں تو ان سے جبراً یہ ٹیکس وصول کرنے کا اختیار بھی حاصل ہے۔ ابن حزم کے الفاظ میں

ویجبرھم سلطان علی ذٰلک ۳۲

ابن حزم فرماتے ہیں کہ سورۃ بنی اسرائیل کی آیت

وآت ذا القربی حقه والمسکین وابن السبیل ۳۳

ان کے نقطہ نگاہ کی دلیل بن سکتی ہے۔

ہنگامی مسئلہ سے نپٹنے کے لیے حضور اکرمؐ کی زندگی مبارک سے مثالیں ملتی ہیں۔ جنگ تبوک کے موقع پر حضورؐ نے جہاد کے لیے ہنگامی چندے کا اعلان کا فرمایا تو صحابہ کرام نے دل کھول کر چندے دیے۔

زائد ٹیکس عائد کرنے کی تائید میں علامہ ابن حزم نے یہ دلیل بھی دی ہے کہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے دولت مندوں کے مال میں اس قدر حق فرض کر دیا ہے جس قدر کہ فقراء کو کفایت کر سکے۔ پس اگر فقراء بھوکے ہیں ننگے ہیں اور خستہ حال ہیں تو اس کا سبب یہی ہے کہ اغنیاء اس فرض کی ادائیگی میں مانع ہیں ۳۴

اس کے علاوہ عبداللہ ابن عمرؓ کا قول بھی نقل کیا گیا ہے۔ فرماتے ہیں:

فی مالك حق سوی الزکوٰۃ ۳۵

یعنی تیرے مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حقوق ہیں۔

اس سلسلے میں موجود اقوال کا جائزہ لیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ ملکی ضروریات پورا کرنے کے لیے سربراہِ مملکت جو محاصل بھی وصول کرے گا اس میں جبر و تشدد سے اجتناب کیا جائے گا۔ سہولت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور نرمی کو ملحوظ رکھا جائے گا۔

حضور اکرمؐ کی واضح ہدایات موجود ہیں کہ عاملینِ زکوٰۃ، لوگوں پر ظلم و زیادتی کیے بغیر ان سے زکوٰۃ وعشر وصول کریں۔ وہ ان کے بہترین مال ان سے وصول نہ کریں۔ ایسے مولیشی وصول نہ کریں جن پر کسی کا معاشی انحصار ہو۔ اس سلسلے میں متعدد ایسی مثالیں موجود ہیں کہ عاملِ زکوٰۃ کو ہدایت تھی کہ بچہ جننے والی بھیڑ، بکری، گابھن، دودھ کی خاطر گھر پہ پالا ہوا جانور، مالک نے اگر اپنے کھانے کے لیے جانور پالا ہوا ہو وصول نہیں کرے گا۔ امام ابویوسف لکھتے ہیں کہ محصل صدقہ کو چن چن کر عمدہ مولیشی لینے کا حق نہیں نہ وہ گھٹیا اوسط سے گرے ہوئے جانور لے گا نہ بہترین [36]

ٹیکسوں کی وصولی کے حوالے سے حضرت علیؓ کا ایک دلچسپ مکالمہ جو ان کا ان کے گورنر سے ہوا آپ نے اپنے گورنر عکبرا سے فرمایا:

دیکھو ان کے ذمہ جو خراج نکلتا ہو سب کا سب وصول کرنا خبردار ان کے ساتھ کوئی رعایت نہ کرنا اور نہ ہی ایسا ہو کہ یہ تمہارے اندر ذرا بھی کمزوری محسوس کریں [37]

یہ گورنر کہتے ہیں کہ ظہر کی نماز کے بعد آپ نے مجھے دوبارہ ملنے کو کہا۔ میں ان کے پاس گیا پھر فرمایا میں نے تمہاری عملداری کے باشندوں کے سامنے تمہیں جو نصیحت کی تھی وہ اس لیے تھی کہ یہ بڑے چالباز لوگ ہیں۔ دیکھو جب وہاں جانا تو خراج وصول کرنے کے سلسلے میں ان کا کوئی گرمی یا سردی کا لباس فروخت نہ کرنا، نہ غذائی اشیاء جو ان کے زیر استعمال ہوں نہ وہ جانور جن کے سہارے وہ محنت مزدوری کرتے ہوں، نہ ایک درہم کے عوض انہیں ایک کوڑا بھی مارنا۔ نہ ایک درہم کی خاطر انہیں ایک پاؤں پہ کھڑا کرنا نہ خراج وصول کرنے کی خاطر کسی کا سامان نیلام کرنا کیونکہ ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم ان سے صرف ان کی ضروریات سے فاضل اموال وصول کریں اگر تم نے ان احکام کی خلاف ورزی کی تو مجھ سے قبل اللہ تعالیٰ تم سے اس کا مواخذہ کرے گا اور اس کی خلاف ورزی کی اطلاع مجھے مل گئی تو میں تمہیں معزول کردونگا۔ [38]

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ سربراہِ مملکت کو اگر ٹیکس وصول کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ تو ساتھ ہی اسے اس بات کا پابند بھی بنایا گیا ہے کہ ظلم و زیادتی سے اجتناب کرے۔ اس سلسلے میں کسی بھی طرح کا ظلم، تعاملِ نبوی اور تعاملِ صحابہؓ کی خلاف ورزی ہوگا۔ ظالمانہ اور غیر حقیقت پسندانہ شرحِ ٹیکس، ان کی وصول میں تشدد یہ سبھی اصول اور قوانین اس سلسلے کی کڑی ہوں گے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شاہ ولی اللہؒ سربراہِ مملکت کو اختیار دیتے ہیں کہ وہ رعایا سے ٹیکس وصول کرے لیکن وہ اس سلسلے میں بہت زیادہ احتیاط سے کام لینے کا حکم فرماتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں کہ بھاری ٹیکس عوام کو تباہ کر دیتے ہیں اور حکومتیں اسی سبب سے زوال یافتہ ہوتی ہیں بھاری ٹیکسوں کی وجہ سے پیشہ ور لوگ کام سے جی چرانے لگتے ہیں۔ اس سے ملکی پیداوار پر منفی اثرات مُرتب ہوتے ہیں۔ معاشرہ ترقی کی بجائے زوال کی طرف چل پڑتا ہے۔ اس لیے حکمران کو چاہیے کہ سرکاری خزانے کو احتیاط کے ساتھ استعمال کرے عیش و آرام اور فضول خرچی کی زندگی بسر نہ کرے۔ کفایت شعاری سے امورِ مملکت چلائے۔ غیر مستحق افراد پر خرچ نہ کیا جائے۔ آپ نے قیصر و کسریٰ کی عیش پسندیوں کا ذکر کیا ہے کہ وہ قیمتی لباس بلند و بالا محلات اور نمود و نمائش اور رقص و سُرور کے عادی ہوگئے۔ اسی بنا پر انہیں زوال آیا۔[۲۹]

امام غزالیؒ بیت المال کو مستحکم کرنے کی کئی ایک تجاویز پیش کرتے ہیں اور آمدنی کے سلسلے میں جائز ٹیکسوں کی وصولی پر بہت زور دیتے ہیں۔ امام صاحب آمدنی کو تین قسموں میں تقسیم کرتے ہیں۔ حلال کمائی اس کی وصولی پر پوری توجہ مبذول کرنی چاہیے کیونکہ اسی پر ملکی معیشت کا اصل دار و مدار ہے۔ دوسری قسم کی آمدنی وہ ہے جو حرام کی کمائی ہے اور مسلمانوں سے خراج کے طور پر، ان سے حاصل شدہ جرمانوں کی رقوم رشوت پر مبنی ہوتی ہے۔ آپ خلیفہ کو اس سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ عمالِ حکومت کو اس کمائی کے بارے میں سخت رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ امام صاحب شاہی خزانے سے تنخواہیں حاصل کرنے والوں کو تلقین کرتے ہیں کہ وہ تنخواہ وصول کرنے سے قبل اس بات کی تعین دہانی حاصل کریں کہ یہ حلال کمائی سے دی جا رہی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ علماء کو چاہیے کہ وہ سربراہِ مملکت کو تلقین کریں کہ وہ اس طرح کی حرام ذرائع سے حاصل ہونے والی رقوم ان کے اصل مالکوں کو واپس کرے۔

تیسری قسم کی آمدنی وہ ہے جو مشتبہ آمدنی ہے۔ احادیث کی روشنی میں واضح فرماتے ہیں کہ اس آمدنی سے اجتناب کیا جائے۔

امام صاحب حلال ذرائع سے بیت المال کی آمدنی حاصل کرنے کی تلقین فرماتے ہیں۔ وہ اس کے خرچ کے بارے میں بہت حساس ہیں۔ سربراہ کو اس بات کا اختیار نہیں کہ وہ سرکاری خزانے کو اپنی ذات کے لیے خرچ کرے۔ اس سلسلے میں انہوں نے احادیث اور اقوال صحابہؓ سے دلائل پیش کیے ہیں کہ سرکاری خزانہ صرف مفاد عامہ ہی کے لیے خرچ ہونا چاہیے۔[۳۰]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خلیفہ بیت المال کو قومی امانت سمجھتے ہوئے ملکی وسائلِ معیشت کو ترقی دینے کی خاطر اور انہیں مستحکم کرنے کے لیے بے آباد اور بے مالک زمینوں کو لوگوں میں تقسیم کرنے کا اختیار رکھتا ہے لیکن اس کے اس اختیار کے استعمال میں وہ تمام اصول وضوابط پیشِ نظر رہیں گے جن کی پابندی بطور خلیفہ اسے کرنی ہوتی ہے ۔ یعنی عدل، نیک نیتی، وسائلِ معیشت کو ترقی دینا، احساسِ مسئولیت، بیت المال کو قومی امانت سمجھنا، اقربا پروری سے اجتناب ۔

عہدِ نبوی اور خلافتِ راشدہ میں بے آباد زمینیں لوگوں میں تقسیم کی گئیں ۔ اس میں لوگوں کی خواہش کو عمل دخل حاصل تھا یعنی لوگوں نے زمینیں مانگیں اور انہیں دیدی گئیں ۔ (آئندہ صفحات میں اصول وضوابط کا ذکر ہوگا) ان زمینوں کی تقسیم کے پس منظر میں کہیں بھی جاگیرداری کا شائبہ بھی دکھائی نہیں دیتا خلیفہ مسلمانوں کا خیر خواہ، اللہ کے سامنے جوابدہ سمجھتا تھا ۔ اسی جذبے کے تحت یہ زمینیں تقسیم ہوئیں ۔

اس کی کچھ مثالیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں :

طاؤس سے روایت ہے حضور اکرم صلعم نے فرمایا :

الارض للہ ولرسولہ ثم ھی لکم [۴۱]

وائل بن حجر کو حضر موت میں [۴۲] اور حضرت زبیر کو خیبر میں [۴۳] زمین عطا کی گئی ۔

کتاب الخراج میں عمرو بن دینار سے روایت ہے حضور نے حضرات شیخین کو زمین عطا فرمائی ۔

کتاب اموال وغیرہ میں روایت ہے ایک انصاری سُلَیط کو زمین عطا کی گئی جو انہوں نے واپس کر دی اور وہ حضرت زبیر کو دے دی گئی [۴۵] ابو رافع کہتے ہیں کہ ان کے خاندان والوں کو حضور نے زمین عطا فرمائی [۴۶] بلال بن حارث مُزَنی کو عقیق کی زمین دی گئی [۴۷] نافع نے حضرت عمرؓ سے ارضِ یقین دہانی پر بصرہ سے زمین لی کہ وہ اسے آباد کریں گے [۴۸] کتاب الخراج اور کتاب الاموال میں مذکور ہے کہ حضرت عثمان نے زبیر بن عوام، سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن مسعود، اسامہ بن زید، خباب بن ارت، عمار بن یاسر، سعد بن مالک رضی اللہ عنہم کو زمینیں عطا کیں [۴۹]

یہ چند ایک مثالیں ہیں ۔ ان کے علاوہ بھی مثالیں ملتی ہیں کہ آبادکاری کے مقصد سے لوگوں میں زمینیں تقسیم کر کے لوگوں کو معاشی مشاغل میں مصروف کیا گیا کیونکہ اب وقت کا تقاضا بھی تھا کہ اپنے وسائلِ معیشت کو حکومت ترقی دے ۔ اب مملکت کی حدود پھیل رہی تھیں ۔ اس وقت تک موجود معاشی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وسائل آبادی کے لیے کم پڑ سکتے تھے۔ لہٰذا معیشت کی ترقی کا جو بندوبست کیا گیا وہ بڑا بروقت منطقی اور خلفاء کی دُور رس نگاہ کا نتیجہ تھا۔

امام ابو یوسفؒ اس کی حکمتیں یوں بیان فرماتے ہیں:

فقد جاءت هذه الآثار بأنّ النبيّ صلى الله عليه وسلم أقطع أقواما وأن الخلفاء من بعده اقطعوا۔ ورأى النبي صلعم الصلاح فى ما فعل من ذالك، إذ كان فيه تاليف على الاسلام وعمارة الارض۔ وكذلك الخلفاء اقطعو من رأوا أن له غناء فى الاسلام، ونكاية فى العدو، ورأوا أن الأفضل ما فعلوا۔ ولولا ذلك لم يأتوه۔ ولم يقطعوا حق مسلم ولا معاهد[۵۱]

جاگیر دینے کے بارے میں ان آثار سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم صلعم نے بھی مختلف قوموں کو زمین دی اور آپؐ کے بعد خلفائے راشدین نے بھی دی۔ نبی کریمؐ نے اپنے اس مبارک عمل میں یہ حکمت سمجھی کہ اس کے ذریعے سے اسلام کے ساتھ لوگوں کی رغبت بھی بڑھتی ہے اور زمین کی آبادکاری بھی ہوتی ہے۔ اسی طرح خلفائے راشدینؓ اس عمل کو اسلام کی رفاہیت (بیت المال کی آمدن کا ذریعہ) اور دشمن کو زک دینے کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ وہ یہ خیال کرتے تھے کہ انہوں نے جو کچھ کیا بہترین کیا اور اگر یہ (فلاح امت اور اسلام) خیال نہ ہوتا وہ ہرگز ایسا نہ کرتے۔ البتہ ایسا کرنے میں انہوں نے کبھی کسی مسلم یا ذمی کا حق نہیں مارا تھا۔

کسی کو زمین عطا کرنے کے بارے میں امام ابو یوسف کا نقطہ نگاہ یہ ہے کہ خلیفہ کو اختیار حاصل ہے کہ وہ ان لوگوں کو انعامات دے جنہوں نے اسلام کے لیے کوئی نمایاں خدمت انجام دی ہو، یا جو اس مال کے ذریعے دشمن سے مقابلہ کی تیاری کرنے والوں میں ہوں۔ امام اس سلسلے میں وہ پالیسی اختیار کرے گا جو اس کی رائے میں مسلمانوں کے لیے بہتر اور ان کے حق میں موزوں ہو۔ اور یہ بیان کردہ لوگوں میں سے جسے چاہے امام زمین عطا کر سکتا ہے[۵۲]

امام صاحب کے اس بیان سے بھی واضح ہو رہا ہے کہ خلیفہ کو اگرچہ اختیار حاصل ہے کہ جسے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چاہے زمین عطا کر دے، لیکن امام صاحب نے واضح کر دیا ہے کہ ہر کس و ناکس اس کا مستحق نہ ہوگا۔ انہوں نے استحقاق کا تعین بھی کیا ہے (دینی یا جہاد کے حوالے سے کارکردگی) اور یہ بھی بتایا ہے کہ دور افتادہ بے آباد زمینیں ہی دی جائیں گی نہ کہ ترقی یافتہ شہری علاقوں میں بنگلے اور پلازے بنانے کیلیے۔

ان زمینوں کے عطا کیے جانے کے اصولوں کے بارے میں امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں:

وللامام ان یقطع کل موات وکل ما کان لیس لاحد فیہ ملک ولیس فی ید احد[52]

"امام کو چاہیے کہ وہ تمام مردہ زمینیں بطور قطعات لوگوں کو دے۔ اسی طرح وہ زمینیں بھی جو نہ تو کسی کی ملکیت ہوں نہ کسی کے قبضہ میں ہوں"۔ امام ابوعبید القاسم نے اسی کا تذکرہ کیا ہے کہ ایسی زمینیں ہی دی جائیں گی جو بے آباد ہوں یا جو کبھی آباد تھیں لیکن اب بے آباد ہو چکی ہیں اور اب انہیں دوبارہ آباد کرنا مطلوب ہوتا تھا[53] گویا یہ عطیات مَوات اور خالصہ اراضی سے دیے جاتے تھے نہ کہ کسی مالک سے چھین کر دوسروں کو دے دی جاتی تھیں۔ ایسا کرنا ظلم میں داخل ہے۔ حضورؐ نے فرمایا:

من اخذ شبراً من الارض ظلما طوّقہ الی سبع ارضین۔

جس شخص نے بالشت بھر زمین بھی ظلم کے ساتھ لی اس کی گردن میں سات تہوں تک اسی زمین کو طوق بنا کر ڈال دیا جائے گا[54]

عن طاؤس قال قال رسول اللہ صلعم عادیُّ الارض للہ وللرّسول ثم لکم مّن بعدُ فمن احیا ارضاً میتۃً فھیَ لہ ولیس لمحتجر حق بعدَ ثلاثِ سنین[55]

طاؤس تابعی کہتے ہیں رسول اللہ صلعم نے فرمایا غیر مملوکہ زمین جس کا کوئی والی وارث نہ ہو خدا اور رسولؐ کی ہے پھر اس کے بعد وہ تمہارے لیے ہے۔ پس جو کوئی مُردہ زمین کو زندہ کرے وہ اسی کی ہے اور اسے بے کار چھوڑنے والے کے لیے تین برس کے بعد کوئی حق نہیں ہے۔

اسی طرح کی ایک روایت حضرت عمرؓ کے بارے میں بھی ہے۔ سالم بن عبداللہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے برسرِ منبر فرمایا جس نے کسی مردہ زمین کو زندہ کیا وہ اسی کی ہے مگر اسے خواہ مخواہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

روک رکھنے والے کے لیے تین سال کے بعد کوئی حق نہیں۔ یہ اعلان اس لیے کرنا پڑا کہ بعض لوگ زمینوں کو یونہی روک رکھتے تھے اور ان میں کوئی محنت نہیں کرتے تھے[۵۶]

امام ابو یوسفؒ نے اس کی مثال یہ دی ہے کہ قبیلہ مُزَنیہ اور جہینہ کو حضورؐ نے کچھ زمین دی انہوں نے اسے آباد نہ کیا۔ دیگر لوگوں نے اسے آباد کر لیا۔ شکایت حضرت عمرؓ تک پہنچی۔ آپؓ نے فرمایا اگر یہ عطیہ حضورؐ کا دیا ہوا نہ ہوتا تو میں اسے منسوخ کر دیتا۔ لیکن اصول یہی ہے کہ جو کوئی کسی زمین کو تین برس آباد نہ کر دے تو وہ اس سے لے لی جائے گی[۵۷]

بلال بن حارث مُزَنی کو حضورؐ نے عقیق کی زمین عطا فرمائی تھی۔ انہوں نے اسے آباد نہ کیا حضرت عمرؓ نے ان کے پاس صرف اتنی زمین رہنے دی جو ان کی ضروریات کے لیے کافی تھی۔ باقی زمین واپس لی[۵۸]

اس سلسلے میں ایک شرط یہ ہے کہ وہ کنویں یا دلی تالاب اور چشمہ وغیرہ کی حریم میں نہ ہو۔ عموماً ان مقامات کے گرد ایک قطعہ تالاب وغیرہ کی حفاظت کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں حضورؐ کے بنائے ہوئے اصول یہ ہیں کہ جو کنویں چوپایوں کو پانی پلانے کے لیے بنائے گئے ہیں ان کے گرد چالیس گز جگہ چھوڑی جائے۔ جو کنویں زراعت و آبپاشی کے لیے ہوں ان کے گرد ساٹھ گز اور چشموں کے اردگرد پانچسو گز جگہ چھوڑی جاتی ہے[۵۹]

یہ عطیات انہی لوگوں کو دیے جاتے تھے جنہوں نے اجتماعی مفاد کے لیے کوئی خدمت سر انجام دی ہو یا اب ان سے اس نوعیت کی کوئی خدمت متعلق ہو۔ یا ان لوگوں کو یہ عطیات دیے گئے۔ یہ عطیہ دنیا قومی مفاد میں ہو۔

عطیات کے حوالے سے مولانا مودودی لکھتے ہیں کہ ایک عطیات وہ ہیں جو عادل متدین راست رو اور خدا ترس حکمرانوں نے دیے اور اس نیت سے دیا ہو کہ اس کا فائدہ ملک و ملت کو پہنچتا ہے۔ انہوں نے یہ عطیات ایسے مال میں سے دیے ہوں جن سے کچھ دینے کے وہ مجاز تھے۔ دوسرے عطیات وہ ہیں جو ظالموں، جباروں اور نفس پرستوں نے دیے، بُرے لوگوں کو دیے۔ بری اغراض کے لیے دیے بے تحاشہ دیے اور ایسے مال میں سے دیے جن سے کچھ دینے کا انہیں حق نہ تھا، یہ دونوں عطیات برابر نہیں ہو سکتے۔ پہلا عطیہ جائز اور دوسرا ناجائز ہے[۶۰]

یہ عطیات جن ہستیوں نے عطا فرمائے اور جنہوں نے وصول کیے ان کے تقویٰ اور احساس مسئولیت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر کسی کو کلام نہیں ہے۔ ہم نے مضمون کے آغاز میں تفصیلات پیش کی ہیں کہ حضور اکرمؐ اور صحابہ کرامؓ کا بیت المال کے بارے میں رویہ کس قدر محتاط تھا۔ اس پس منظر میں یہی بات سامنے آتی ہے کہ انہوں نے کسی ذاتی غرض یا کسی خاندانی نوازش کے طور پر یہ زمینیں عطا نہیں کی تھیں بلکہ ان کے پیشِ منظر دینی و ملی مصالح تھے۔ اور شواہد موجود ہیں کہ اگر ان مصالح کی تکمیل نہیں ہوئی تو ان سے وہ قطعات واپس لے لیے گئے۔ یہ عطیات آج کل کی شاہانہ عنایات سے کوئی مطابقت نہیں رکھتے تھے۔ اگر ان مذکورہ بالا مصالح اور اصولوں کی اتباع کرتے ہوئے مشاہیر کو کوئی خدمت سونپی جاتی ہے تو اگرچہ اصولی طور پر گنجائش موجود ہے لیکن محض کسی ذہنی و فکری پسِ منظر کو ذہن میں رکھے بغیر محض ظاہری مطابقت کی بنیاد پر آج کل کی سرکاری نوازشات بلکہ سیاسی رشوتوں کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اس کے ساتھ ہی یہ اصول بھی کارفرما ہوتا تھا کہ زمین یا عطیہ اتنی بھاری مالیت کا نہ ہوتا تھا کہ دوسروں پر اسے کوئی نمایاں مالی برتری حاصل ہو جانے کا باعث بنے۔

کتاب الاموال میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے طلحہ بن عبیداللہ کو ایک قطعہ اراضی عطا فرمایا حضرت عمرؓ نے اس میں مداخلت کی اور اس زمین کی الاٹمنٹ منسوخ کروا دی[۱۳] اسی طرح کوئی ایسا منفعت بخش ذریعہ آمدنی، جس کی آمدنی اجتماعی ملکیت میں کسی کو نہیں دیا جا سکتا، ابیض بن حمال مازنی سے روایت ہے رسول اللہ صلعم سے میں نے مآرب کے علاقہ سے نمک کی کان عطیہ کے طور پر لینا چاہی۔ لوگوں نے حضورؐ سے بات چیت کی کہ آپؐ نے تو اس شخص کو ہمیشہ رہنے والا خزانہ عطا فرما دیا ہے۔ چنانچہ آپ نے یہ عطیہ منسوخ فرما دیا[۱۴]

مولانا مودودی اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

اسلام کے معاشی نظام میں انتقالِ دولت کے تین اصول ہیں:

۱۔ وراثت ۲۔ ہبہ ۳۔ کسب

ہبہ اور عطیات صرف وہی معتبر ہوتے ہیں جو شرعی قواعد کے مطابق ہوں۔ کسی چیز یا مال کے حقیقی مالک نے شرعی حدود کے اندر ہبہ یا عطیہ دیا ہو۔ اگر عطیہ کسی حکومت کی جانب سے ہو تو وہ اسی صورت میں جائز ہوگا۔ جب وہ کسی صحیح خدمت کے صلے میں یا معاشرے کے مفاد کے لیے املاکِ حکومت میں سے جائز اور معروف طریقے پر دیا گیا ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ مزید لکھتے ہیں :

"اس طرح کا عطیہ دینے کی حقدار بھی وہی حکومت ہے جو شرعی دستور کے مطابق شوریٰ کے طریقہ کے مطابق چلائی جا رہی ہو اور جس کا محاسبہ کرنے کی قوم کو آزادی حاصل ہو۔" [۱۳]

شاہ ولی اللہؒ سربراہِ مملکت کے مالیاتی اختیارات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ سرکاری خزانہ استعمال کرتے ہوئے ایسا نہ ہو کہ غیر مستحق لوگوں پر خرچ شروع کر دیا جائے۔ اس سے خزانے پر غیر مستحق لوگوں کا بوجھ آن پڑے گا، مصنوعی غازیوں، زاہدوں اور شاعروں پر عوام کی دولت نہ لٹائی جائے۔ آپ لکھتے ہیں کہ

جو لوگ سرکاری خزانہ سے تنخواہ لیتے ہیں انہیں کسی حسنِ کارکردگی کی بنا پر انعام و اکرام دینا ہے اور خیانت اور فرائض کی بجا آوری میں سستی برتنے والوں کو سزا دی جائے۔ ان کے وظیفے میں کمی کر دی جائے اور سنگین جرم کی صورت میں ان کی تنزلی بھی کی جا سکتی ہے [۱۴]

گذشتہ صفحات میں ہم نے جو تفصیلات پیش کی ہیں ان سے مندرجہ ذیل نتائج سامنے آتے ہیں۔

۱۔ عہدِ نبوی اور خلفائے راشدین میں لوگوں کو زمینیں دی گئیں۔

۲۔ یہ زمینیں بے آباد ہوتی تھیں۔ ان کا کوئی مالک نہیں ہوتا تھا۔

۳۔ ایسا کرنے کا مقصد زمینوں کو آباد کر کے ملکی معیشت کو ترقی دینا تھا۔

۴۔ کسی کو نوازنا یا بیت المال کے غلط استعمال کا شائبہ بھی کسی ذہن میں نہ تھا۔

(ہم نے ابتدا میں بیت المال کے امانت ہونے کے بارے میں، یہ زمینیں دینے والوں کے طرزِ عمل کی تفصیلات بیان کر دی ہیں)۔

۵۔ اگر یہ زمینیں آباد نہیں کی گئیں تو یہ بحقِ سرکار واپس لے لی گئیں۔

۶۔ تالیفِ قلب یا کسی کی دینی و ملی خدمات کے عوض کسی کی حوصلہ افزائی کی گئی، تو ایسا ابتدائی زمانہ میں ہوا۔ خلافتِ راشدہ میں ہی یہ پالیسی ختم ہو گئی۔

جہاں تک ملکی و قومی کارنامے سرانجام دینے والوں کو انعامات سے نوازنے کا مسئلہ ہے یہ نہایت ہی نازک چیز ہے۔ لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ موجودہ نظام اور پالیسی انتہائی ناقص ہے اور یہ کسی طور پر "بیت المال کے امانت کے تصور" سے میل نہیں کھاتی۔ کارناموں پر حوصلہ افزائی الگ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چیز ہے اور اس حوصلہ افزائی کے نام پر ملکی خزانے پر بلا دریغ ہاتھ صاف کرنا اس سے بالکل مختلف ہے۔ یہ بات بھی دیکھنے میں آئی ہے کہ افسران کی جانب سے انہی لوگوں کے نام" ایوارڈ" کے لیے بھیجے جاتے ہیں جو کام کم کرتے ہیں اور افسران کی جی حضوری زیادہ۔ پولیس مقابلوں میں ملزم کو پکڑ کر گولی ماری جاتی ہے اور ایسے پولیس مقابلہ بنا کر انعامات دیئے جاتے ہیں۔ حق دار کو انعامات سے ضرور نوازا جائے اس سے کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا۔ ہمارے ان الفاظ کا مقصد یہ ہے کہ انعام سے نوازنا ایک نازک مسئلہ ہے۔ اس میں عموماً غیر حقدار ہی انعام پا لیتے ہیں انعامات ایک تو حقدار کو ملنا چاہیے دوسرے اسے محض "حوصلہ افزائی" تک محدود رہنا چاہیے تاکہ دولت کی غیر عادلانہ تقسیم کا باعث نہ بنے۔

اس سلسلے میں حال ہی میں یہ مسئلہ پنجاب ہائی کورٹ میں بھی زیر بحث آیا کہ کیا وزیر اعظم پاکستان یا کسی اور اعلیٰ عہدے دار کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ بیت المال میں تصرف کر سکے اور اپنی مرضی سے لوگوں میں پلاٹ یا نقد رقوم تقسیم کر سکے؟ عدالت کے فاضل جج نے واشگاف الفاظ میں لکھا کہ کسی بھی بڑے سے بڑے عہدے دار کو اس کا حق حاصل نہیں ہے کہ وہ بیت المال میں تصرف کر سکے اور اپنی پسند کے لوگوں میں زمینیں تقسیم کرے۔ یہ بات بھی فیصلے کی صورت میں منظر عام پر لائی گئی کہ جن لوگوں نے اونے پونے داموں پلاٹ خریدے ہیں انہیں پابند کیا گیا ہے کہ وہ ان پلاٹوں کی حقیقی قیمت ادا کریں یا اور اگر ان لوگوں نے یہ پلاٹ آگے فروخت کر دیے ہوئے ہیں تو اس صورت میں اسی شخص سے اصل قیمت وصول کی جائے جس نے گورنمنٹ سے پلاٹ حاصل کیا تھا۔ عدالت کے فیصلے میں سابق وزرائے اعظم اور ایک وزیر اعلیٰ صاحب کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ بیت المال سے رقوم نکلوانے اور پلاٹ سستے داموں فروخت کرنے کے مسئلے کی وضاحت کے لیے عدالت میں حاضر ہوں۔ بعد میں فنی وجوہ کی بنا پر یہ کیس نگران وزیر اعظم کی طرف بھیج دیا گیا کہ وہ خود اس سلسلے میں کارروائی کریں۔

عدالت نے قرار دیا کہ پاکستان بیت المال ایکٹ ۱۹۹۱ء کے تحت بیت المال سے تصرف کے حوالے سے وزیر اعظم کے پاس کوئی اختیارات نہیں ہیں اور پاکستان بیت المال کا مینجمنٹ بورڈ اس کے فنڈز کو ایکٹ کے مطابق خرچ کرنے کا مجاز ہے۔ اس لیے وزیر اعظم نہ تو بیت المال کے فنڈ اپنے دائرہ اختیار میں لے سکتا ہے اور نہ ہی وہ اس فنڈ کو فوڈ سٹمپ سکیم کی شکل دے سکتا ہے۔ فاضل عدالت نے قرار دیا کہ وزیر اعظم کی تنخواہ، الاؤنسز اور مراعات ایکٹ ۱۹۷۵ء کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تحت اب بھی وزیر اعظم کی صوابدیدی گرانٹ چار لاکھ روپے ہے۔ فاضل عدالت نے کہا کہ وزارتِ خزانہ، بیت المال سے کوئی بھی رقم وزیر اعظم سیکریٹریٹ کو منتقل نہیں کر سکتی اور سنہ ۱۹۹۴ء سنہ ۱۹۹۳ء کے بجٹ میں اس فنڈ کو وزیر اعظم کے دائرہ اختیار میں دینے کے بارے میں قومی اسمبلی کی اجازت بھی غلط ہے۔ عدالت کے خیال کے مطابق مستحق افراد کی شناخت کے لیے کوئی مناسب منصفانہ اور منظم طریقہ موجود نہیں ہے اور نہ ہی فی کس امداد کے لیے کوئی ضابطہ موجود ہے، اس لیے کسی فردِ واحد کو اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ اپنی مرضی سے بیت المال کی دولت کو لوگوں میں تقسیم کرے۔ اسی سلسلے میں آڈیٹر جنرل کا عہدہ موجود ہے فاضل عدالت نے وزیر اعظم کے صوابدیدی اختیارات پر تنقید کی کہ یہ تمام اختیارات فردِ واحد کی صوابدید پر مبنی ہوتے ہیں۔ گویا اس سلسلے میں نظام کی وضاحت ضروری ہے۔ عدالت نے ٹی وی وغیرہ پر محتاجوں کی مدد کے مناظر کی تشہیر کو بھی خلافِ شریعت اور خلافِ آئین بلکہ خلافِ اخلاق قرار دیا[۶۴]

قرنِ اوّل میں قطعاتِ اراضی کے عوام کو اس مقصد کے تحت کہ وہ انہیں آباد کریں، عطا کیے جانے سے ملکی معیشت پر مثبت اثرات مرتب ہوئے۔

عصرِ حاضر میں بھی پلاٹوں کی الاٹمنٹ اور انعامات سے نوازنے کا رواج پایا جاتا ہے۔ قرآن مجید سنتِ نبوی اور تعاملِ صحابہؓ کی روشنی میں ہم موجودہ حکومتوں کی طرف سے دیے جانے والے پلاٹوں اور انعامات و تحائف کا ایک جائزہ آئندہ سطور میں پیش کریں گے۔

عصرِ حاضر میں پلاٹوں کی الاٹمنٹ کی ایک صورت تو یہ ہے کہ حکومت غریب لوگوں کو قسطوں یا برائے نام قیمتوں پر رہائشی قطعہ دیتی ہے۔ ظاہر ہے۔ عوام کو رہائشی سہولیات بہم پہنچانا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ اس میں کسی کو اختلاف کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ ایسا کر کے حکومت اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوتی ہے۔ لیکن اس میں یہ بات ملحوظ رہے (اور حکومت اس کا اہتمام کرنے کی ذمہ دار ہے) کہ کوئی غیر حقدار، غریب کا حق نہ مارے۔ پلاٹوں کی تقسیم کے سلسلے میں ہمارے ملک میں یہ بات اکثر مشاہدے میں آئی ہے کہ غیر حقدار کسی غریب کے نام کو استعمال کر کے اس کے نام کا پلاٹ حاصل کر کے اسے اونے پونے دام دے کر ان پلاٹوں سے لاکھوں روپے کما رہے ہیں۔ یا ایک آدمی غلط طور پر اپنے آپ کو حقدار ظاہر کر کے دوسروں کے حق پر ڈاکہ ڈالتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان تمام چیزوں کا تدارک کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔

پلاٹوں کی دوسری صورت یہ ہے کہ (اور جو ہمارا اصل موضوع سخن ہے) حکومت بڑے اہم تجارتی علاقوں اور شہری ترقی یافتہ علاقوں میں اپنے منظورِ نظر لوگوں، اقربا، بعض اوقات کھلاڑیوں اور دیگر لوگوں میں تقسیم کرتی ہے۔ کیا اس طرح کی عنایات کی شریعتِ اسلامیہ میں کوئی گنجائش ہے؟ کیا اسلامی سربراہِ مملکت اتنے اختیارات کا حامل ہے کہ وہ قومی امانت (جس کے ایک ایک چپہ کی حفاظت کا وہ اپنے حلف کی رُو سے ذمہ دار ہوتا ہے) میں اس قدر تصرف کر سکے۔

اس کے جواز یا عدمِ جواز کا فیصلہ اس بنیاد پر ہوگا کہ قرنِ اوّل میں بعض لوگوں کو جو قطعات ارضی عطا کئے گئے، ان میں اور آج کے دور میں دیے جانے والے پلاٹوں میں کوئی قدرِ مشترک ہے یا نہیں؟ کیونکہ کسی چیز کے جواز کے لیے ضروری ہے کہ وہ قرآن، سنت، یا اجماعِ امت کے مطابق ہو، یا پھر قیاس کی بنیاد پر فیصلہ کیا جائے گا۔ قیاس میں مقیس اور مقیس علیہ میں اشتراک ہونا چاہیے۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھر قیاس درست نہیں ہوگا۔[۶۵]

۱۔ قرنِ اوّل میں جو قطعاتِ زمین لوگوں کو دیے گئے ان کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ زمین قابلِ کاشت بنا کر مفید بنائی جائے۔

جبکہ عصرِ حاضر میں دی جانے والی زمینوں کے پیچھے ایسا کوئی مقصد نہیں ہوتا بلکہ یہ نوازنے اور کسی کو خوش کرنے کے لیے دی جاتی ہیں۔

۲۔ قرنِ اوّل کے عطایا کا مقصد معاشی ترقی تھا کہ یہ زمینیں آمدنی کا ذریعہ بنیں جبکہ موجودہ عطایا میں اس کے بالکل برعکس صورت پائی جاتی ہے۔ ان پر غیر پیداواری انداز سے بھاری رقوم خرچ کر کے فخر و تکبر کی علامات یعنی بڑے بڑے بنگلے بنتے ہیں جو ایک طرف تکبر و نخوت کی علامت ہوتے ہیں تو دوسری طرف غریب آدمی کے احساسِ محرومی کو مزید تیز کرتے ہیں۔

۳۔ قرنِ اوّل کے عطایا صرف انہی زمینوں سے دیے جاتے تھے جو بے آباد اور مردہ ہوں فقہائے نے اس کی وضاحت کی ہے کہ یہ زمینیں آبادی سے بہت فاصلے پر واقع ہوتی تھیں اور ان کی دوری کی وجہ سے انہیں کوئی آباد نہ کرتا تھا۔ لیکن آج کے دور میں تو اکثر یہی ہوتا ہے کہ بہترین شہر میں بہترین محلِ وقوع (Location) کا پلاٹ الاٹ کیا یا کروایا جاتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴ ۔ قرنِ اوّل کے عطایا میں کسی اپنے پرائے، غریب امیر کا لحاظ نہیں رکھا جاتا تھا لیکن اعداد و شمار اس بات پر شاہد ہیں کہ یہ عنایات عموماً سیاسی رشوت ۔ اقربا پروری کی بنیاد پر ملتے ہیں۔ یا کوئی بااثر آدمی یہ پلاٹ اپنے منصب کے زور پر حاصل کرتا ہے ۔

۵ ۔ عہدِ نبوی و عہد خلفائے راشدین میں قطعاتِ زمین دیتے وقت یہ شرط عائد کی جاتی تھی کہ اسے تین برس کے اندر اندر آباد کیا جائے گا ۔ ایسی مثالیں موجود ہیں کہ اگر کسی نے اسے آباد نہیں کیا تو اس سے یہ زمین واپس لے لی گئی ۔ جبکہ جدید دور کے عطایا میں ایسی کوئی چیز نہیں ہوتی ۔

۶ ۔ عہد اوّل میں عطایا دینے والے اس احساس سے مالا مال تھے کہ سرکاری خزانہ ان کے پاس امانت ہے ۔ اس کے ایک ایک پیسے کا حساب ان سے لیا جاتا ہے ۔ ان کی ذاتی زندگیاں بھی احتیاط اور تقویٰ سے عبارت تھیں ۔ جبکہ آج اس قسم کا احساس بھی مفقود ہے اور کردار بھی۔[۶۶]

ان تفصیلات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ قرنِ اوّل کے عطایا اور آج کی نوازشات میں کوئی بھی مشترک قدر موجود نہیں ہے ۔ ظاہر ہے کہ جب مشترک کوئی نہ ہو تو دونوں کا حکم الگ الگ ہوگا ۔ یعنی اسلامی خلیفہ اگر قرنِ اوّل کے انداز پر کسی کو کوئی قطعہ زمین عطا کرتا ہے تو اس کا جواز پیدا ہو سکتا ہے ۔ لیکن جن خطوط پر اس وقت عمل ہو رہا ہے وہ ہر اعتبار سے خلیفہ کے دائرۂ اختیار سے تجاوز ہے ۔ ایسا تو ہو سکتا ہے کہ اگر کہیں بے مالک اور بے آباد زمینیں پڑی ہوں تو حکومت انہیں اسی انداز سے کسی کو دے دے جس انداز سے عہدِ نبوی و عہدِ خلفائے راشدین میں دی جاتی تھیں تو یہ درست اقدام ہوگا ۔ اس سلسلے میں کسی کو کلیتاً دے دینے سے بھی بہتر صورت یہ ہے کہ حکومت ایسی دور افتادہ زمینیں کسی کو آباد کاری کی غرض سے دے دے ۔ آباد کاروں کو معاوضہ ادا کر کے اس کی آمدنی بیت المال میں جمع ہو جائے ۔ اس طرح یہ زمینیں ملکی خزانے کے لیے آمدنی کا باعث بنیں گی اور کئی لوگوں کو روزگار بھی میسّر آئے گا ۔

حکومتی سطح سے عطایا کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ مختلف لوگوں کو ان کے کارناموں پر انعامات و تحائف سے نوازا جاتا ہے ۔ ظاہر ہے ان انعامات کا مقصد ایک طرف کارنامہ سرانجام دینے والے شخص کی حوصلہ افزائی ہوتا ہے تو دوسری طرف دوسرے لوگوں کو ترغیب دینا بھی مقصود ہوتا ہے ۔ مشاہیر کی حوصلہ افزائی ایک مستحسن اقدام ہے اگر دیکھا جائے تو اس کا فائدہ بھی ملک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہی کو ہوتا ہے کہ دوسرے لوگ بھی ترغیب حاصل کر کے کارنامے سرانجام دیتے ہیں۔

اسلام کے مجموعی نظام اور تعلیمات کو سامنے رکھیں تو اس سلسلے میں خلیفہ کے اختیارات کچھ اصول وضوابط کے پابند ہوں گے۔

۱۔ خالص عدل کو ملحوظ رکھا جائے۔ جو شخص حقیقی معنوں میں انعام کا حقدار ہو اسے ہی اس سے نوازا جائے۔ رشوت یا اقربا پروری اس میں کارفرما نہ ہو۔

۲۔ سرکاری خزانہ، خلیفہ کے پاس امانت ہے۔ یہ ملک کے تمام لوگوں کی مشترکہ ملکیت ہے اس لیے اسے بطور امانت کے ہی استعمال ہونا چاہیے۔ خلیفہ عدل اور احساسِ مسئولیت کے ساتھ خزانہ استعمال کرے۔

۳۔ انعامات دولت کی غیر عادلانہ تقسیم کا سبب نہ بن جائیں۔ ایک طرف تو ایک شخص کو معمولی سے کام پر لاکھوں روپے دے دیں اور دوسری جانب ایک غریب آدمی اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے لختِ جگر کو موت کے منہ میں ڈال دے کہ اس کے پاس دوائی کے پیسے نہیں ہیں۔ ملک قرضوں کی بنا پر ساری دنیا کی نگاہوں سے گر رہا ہو اور یہاں معمولی معمولی کام کرنے والوں کو "سونے کے تاج" پہنائے جا رہے ہوں۔

اس طرح کی کیفیت نہ شرعاً جائز ہے اور نہ اخلاقاً۔

انعام سے نوازتے وقت یہ بات لازمی طور پر ملحوظ خاطر رکھنی ہوگی کہ جس خدمت پر اسے نوازا جا رہا ہے وہ حقیقی معنوں میں قومی و دینی خدمت ہے بھی یا نہیں؟ اگرچہ اس سلسلے میں فیصلہ کرنا بعض پہلوؤں سے مشکل ہوگا لیکن اتنی بات کم از کم واضح ہونی چاہیے کہ اسلامی مملکت ایک نظریاتی مملکت ہوتی ہے۔ جس میں وہی کام اور وہی چیز اچھی اور قابلِ تعریف ہے جسے اللہ اور اس کا رسول ؐ اچھی کہیں۔ اگر کوئی کام اللہ اور اس کے رسول ؐ کی معصیت پر مبنی ہے تو وہ کام اور اس کا سرانجام دینے والا ہرگز قومی ہیرو نہیں ہوگا بلکہ ایک نظریاتی مملکت میں مجرم ہوگا۔ اس لیے اسلام خلیفہ کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ ملک میں اللہ اور اس کے رسول ؐ کی تعلیمات کے منافی کام کرنے والوں کو اعزازات سے نوازے۔ اس اعتبار سے گلوکاروں، طبلہ نوازوں اور سرنگی نوازوں کے لیے اسلامی خزانہ میں انعامات کے لیے کچھ بھی نہیں ہونا چاہیے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے مقابلے میں اپنے ہاتھ سے کما کر کھانے والے لاکھوں ایسے ہنرمند ہیں جو حکومت کے انعامات سے تو کیا مستفیض ہوں گے، دو وقت کی روٹی کے لیے ترس رہے ہیں۔

یہ بات بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ ایک طرف تو حکومت کے پاس اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کو نوکری دینے کے لیے بجٹ کی کمیابی ہو اور دوسری جانب رقص و سُرور اور فحاشی کو عام کرنے والے لوگوں کے لیے اس کے خزانے کا منہ کھلا ہوا ہو، عقل و شعور سے بالاتر چیز ہے۔

اس تفصیلات کی روشنی میں ہر وہ شخص جس کے دل میں انصاف اور خوفِ خدا کا تھوڑا سا حصّہ بھی موجود ہے بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے کہ کسی بھی شخص کو اس بات کا قطعاً اختیار حاصل نہیں کہ وہ ملکی خزانہ سے Sectet Found - Unfare Seen Expenditure کی آڑ میں ذاتی یا سیاسی اغراض کی خاطر ایک پائی بھی استعمال کرے۔ اور نہ ہی کسی کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ ملکی خزانے کے کروڑوں روپے کے قرضے معاف کر دے (اس سلسلے میں اگر اسلامی مملکت کے خزانہ کی حفاظت اس کی اہمیت و حیثیت کی واضح تصویر حاصل کرنی ہو تو اس خط و کتابت کا ملاحظہ کرے جو حضرت عمرؓ اور حضرت عمرو ابن العاصؓ، گورنر مصر کے درمیان ہوئی تھی)۔

خلیفہ، ملکی معیشت کو صحت مند اصولوں پر چلانے، معاشی ترقی، لوگوں کی معاشی ضروریات کی تکمیل کے لیے معاشی پالیسیاں وضع کرنے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ پارلیمنٹ سے مشاورت بھی کرے گا لیکن یہ تمام پالیسیاں اسی کے نام سے نافذ العمل ہوتی ہیں عیاشانہ طرزِ زندگی، تبذیر، احتکار، ناجائز منافع خوری، اور اشیائے ضرورت کو تلف کر کے مصنوعی قلت پیدا کرنا ایسے مسائل ہیں جو ملک کے معاشی ڈھانچے کو تباہ کر کے رکھ دیتے ہیں۔ اس لیے اسلام میں جہاں ان خرابیوں کے انسداد کے لیے اخلاقی تعلیمات دی گئی ہیں وہاں قانون کا دائرہ بھی ان تک وسیع ہے اور اخلاقی تعلیمات کی پرواہ نہ کرنے والوں کو قانون اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔

اگرچہ قدرتی عوامل کی وجہ سے ہونے والی مہنگائی کی صورت میں حضورؐ سے یہی مروی ہے کہ قیمتوں کا تعین حکومت نہیں کرے گی لیکن جن اسباب کی بنا پر مہنگائی پیدا ہوئی، اسلامی حکومت ان کے خاتمہ کے لیے پورے اختیارات رکھتی ہے۔ اس سلسلے میں حسبہ کا ادارہ موجود ہے مسلم مفکرین سیاست نے اس ادارہ کے فرائض میں یہ بات بھی شامل کی ہے کہ محتسب اشیائے صرف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی رسد اور طلب پر نگاہ رکھے اور مہنگائی پیدا نہ ہونے دے[۶۸]

اسلامی حکومت دیانتدار لوگوں پر مشتمل احتساب و نگرانی کا باقاعدہ نظام قائم کرے گی اور احتکار کرنے والوں پر کڑی نگاہ رکھے گی۔ گرانی کا سبب احتکار وغیرہ ہو تو اسلامی ریاست کو پورا اختیار حاصل ہے کہ وہ اشیاء کی قیمتیں متعین کر دے۔ خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا دی جا سکتی ہے۔

اس سلسلے میں ہدایہ میں لکھا ہے:

سلطان کے لیے یہ مناسب نہیں کہ لوگوں کو متعینہ قیمتوں کا پابند بنائے۔ کیونکہ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ قیمت مقرر نہ کرو کیونکہ اللہ ہی قیمت مقرر کرنے والا، تنگی پیدا کرنے والا فراخی پیدا کرنے والا اور رزق عطا کرنے والا ہے اور اس لیے کہ قیمت عقد بیع کرنے والے کا حق ہے لہذا اس کا تعین وہی کر سکتا ہے۔ پس امام کو اس میں مداخلت نہیں کرنی چاہیے۔ بجز اس صورت کے جب کہ ضرر عامہ کو دور کرنا اس کا متقاضی ہو۔

جب یہ مسئلہ قاضی کے سامنے پیش کیا جائے وہ احتکار کرنے والے کو حکم دے گا کہ اس کی اور اس کے گھر والوں کی غذائی ضروریات جس کا اندازہ فراخی کے ساتھ کیا جائے گا اسے جو کچھ فاضل ہو اسے فروخت کر دے۔ قاضی اسے احتکار سے منع کرے گا اگر اسی تاجر کو دوبارہ اس کے سامنے لایا جائے تو وہ اسے قید کر دے گا اور ایسی سزا دے گا جو اسے اس غلط کاری سے باز رکھنے کے لیے مناسب نظر آئے تاکہ عوام کی ضرر رسانی ختم ہو۔

اگر غلہ کے تاجر من مانی قیمتیں وصول کرتے ہوں اور معقول قیمتوں سے زائد دام وصول کرتے ہوں اور قاضی نرخ مقرر کرنے کے علاوہ کسی دوسرے طریقے سے مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ نہ کر سکتا ہو تو اس صورت میں اہل رائے اور صاحب بصیرت افراد کے مشورہ سے قیمتیں مقرر کر دینے میں کوئی حرج نہیں[۶۹]

امام ابن تیمیہ کا نقطہ نگاہ یہ ہے کہ جب لوگ معروف طریقہ کے مطابق اپنی تجارتی اشیاء فروخت کر رہے ہوں۔ مگر نرخ اس لیے بڑھ رہے ہوں کہ اس چیز کی رسد میں قلت پائی جاتی ہے یا یہ کام کرنے والے لوگوں کی تعداد زیادہ ہو تو اس صورت میں تسعیر جائز نہیں[۷۰]

لیکن احتکار کے تحت پیدا ہونے والی گرانی کے بارے میں امام موصوف کا نقطہ نگاہ یہ ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ احتکار کرنے والا عوام پر ظلم کر رہا ہے۔ اس لیے صاحبِ امر کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ جب عوام کو ان اشیاء کی ضرورت ہو تو ایسے تاجر لوگوں کو اپنا مال قیمتِ مثل پر فروخت کرنے پر مجبور کرے[۱۷]۔

جن لوگوں نے قیمتوں کے تعین کو ناجائز سمجھا ہے ان کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں فرمایا گیا کہ قیمتیں متعین نہیں کی جا سکتیں۔ لیکن جو لوگ اسے جائز سمجھتے ہیں ان کا نقطۂ نگاہ یہ ہے کہ جس وقت آپؐ نے ایسا فرمایا تھا، اس وقت قدرتی عوامل کی وجہ سے گرانی کی کیفیت پیدا ہوئی تھی۔ لیکن اگر مہنگائی قدرتی عوامل کی وجہ سے نہ ہو بلکہ تاجروں نے اشیاء کو چھپا کر مصنوعی مہنگائی پیدا کی ہوئی ہو تو ایسی صورت میں اسلام کے ہاتھ بندھے ہوئے نہیں کہ خلیفہ کو کوئی اختیار ہی نہ ہو اور وہ سنگدل تاجروں کی حرکات کا تماشہ دیکھتا رہے اور کوئی عملی اقدام نہ کر سکتا ہو۔

قدرتی عوامل کی بنا پر مہنگائی کا پیدا ہونا اور لوگوں کی لوٹ کھسوٹ کی وجہ سے اس کا پیدا ہو جانا کسی طور بھی ایک جیسے مسئلے نہیں۔

پورے تجارتی نظام کی اصلاح اور اسے صحت مند بنیادوں پر استوار کرنا اور استحصالی ضابطوں سے اسے پاک کرنا خلیفہ کی ذمہ داری ہے۔ اس کی حدودِ اختیار یہاں تک وسیع ہیں کہ وہ معاشی اجارہ داریوں کو ختم کرنے کے لیے پالیسی وضع کرے تاکہ عوام کسی استحصالی طبقے کی دست برد سے بچ جائیں۔

عیش پرستی ایک ایسا مرض ہے جس کے منفی اثرات انفرادی اور اجتماعی زندگی پر مرتب ہوتے ہیں اسے معاشرہ، معاش، اخلاق، دنیا اور آخرت سبھی پر زد پڑتی ہے۔ اس لیے اسے ایک ناپسندیدہ روش قرار دیا گیا ہے۔ لیکن محض پند و نصائح پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ اس کے انسداد کے لیے قانون بھی موجود ہے اور اسلامی خلیفہ کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اس کے استقبال کے لیے قدم اٹھائے۔

فقہ اسلامی کی زبان میں ایسے شخص کو سفیہ اور مفسد کہا جاتا ہے اور فقہ کی رُو سے اس روش کے حامل شخص پر پابندی عائد کی جا سکتی ہے۔ اس کے مالکانہ تصرفات پر اسلامی خلیفہ پابندی عائد کر سکتا ہے۔ مبذر اور سفیہ درحقیقت فقہائے اسلام کی طرف سے ان دونوں کی کی گئی تعریفات کی روشنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔

تنعم و عیش کوشی کے حصول میں اگر کوئی شخص اپنے مال میں ایسے تصرفات کرتا ہے جو جائز تو ہوں مگر حدِ اعتدال سے متجاوز ہوں اور ان تصرفات سے اس شخص کے ذاتی مفادات مجروح ہونے کے ساتھ ساتھ اجتماعی مصالح کو بھی خطرات لاحق ہوں تو اسلامی ریاست کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس شخص کے مالکانہ تصرفات پر پابندی عائد کر دے۔ یہ پابندیاں حالات کی مناسبت سے لگائی جا سکتی ہیں۔ کسی مخصوص مد میں اسے تصرف کرنے سے روک دیا جائے، یا تصرف سے قبل حکومت کی اجازت لازم قرار دے دی جائے[۴۲]۔

گویا عیش پرستانہ اندازِ زندگی جس سے ملکی معاشیات پر منفی اثرات مرتب ہوئے ہیں، اس کے انسداد کے لیے خلیفہ کو کسی کے حقوق پر پابندی عائد کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ وہ اس کے لیے قانون سازی بھی کر سکتا ہے۔

اس سلسلے میں حضرت عمرؓ کے مختلف احکامات کی مثال پیش کی جا سکتی ہے[۴۳]۔

اسلامی خلیفہ اس بات کا ذمہ دار ہوگا کہ فرد کے حقِ تصرّف یا ذاتی ملکیت کو اس بات کا پابند بنائے کہ وہ اس دولت اور اختیار کو ایسی اغراض کے لیے استعمال نہ کرے جنہیں شریعت نے ممنوع قرار دیا ہے۔ مثلاً اسراف و تبذیر، شراب، زناکاری، جوا، سٹہ، فحش باتوں کی تشہیر اور اس طرح کے دیگر امور کا انسداد کرنا حکومت کی ذمہ داری ہوگی[۴۴]۔

اسے خلیفہ کا حق و اختیار قرار دیا جائے یا اس کا فریضہ، کہ وہ اپنے ماتحتوں کے طرزِ زندگی اور ان کی مالی حالت پہ زور دے گا۔ کتاب الاموال میں امام ابوعبید لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کو اطلاع ملی کہ بعض عمّالِ حکومت مالی طور پر مضبوط ہو رہے ہیں۔ آپ نے حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت سعدؓ جیسے اکابر صحابہؓ کا مواخذہ فرمایا اور ان کی آدھی دولت بحق سرکار ضبط کر لی، حضرت عمرؓ نے ان کے وسائلِ دولت اور ان کے پاس موجود دس ہزار دراہم کی موجودگی کا سبب پوچھا ابوہریرہؓ نے جواب دیا کہ میرے گھوڑوں کی نسل بڑھتی رہی۔ میرے وظیفے مجھے ملتے رہے اور میرے حصے مجھے ملتے رہے۔ اس وضاحت کے باوجود ان سے ان کی آدھی دولت چھین لی گئی[۴۵]۔

اسی طرح عمّالِ حکومت کے تقرّر کے وقت خلیفہ دیکھے گا کہ وہ بددیانت اور نااہل تو نہیں ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ وہ سرکاری خزانے پر نار وا بوجھ بنیں اور امورِ مملکت خیانت کا شکار ہو کر رہ جائیں۔ خلیفہ خود بھی سرکاری خزانے کا محافظ ہونے کا حقیقی ثبوت اپنے طرزِ عمل سے پیش کرے گا اور اس کے دائرۂ اختیار میں ہے کہ وہ ان لوگوں کو حکومت میں شامل نہ رہنے دے جو سرکاری خزانے کو امانت نہیں سمجھتے۔ حضرت عمر رض کے عہد سے اس قسم کی بہت سی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں کہ سرکاری خزانے کو غلط طور پر استعمال میں لانا تو دُور کی بات ہے کسی گورنر کو اپنی جیب سے بھی ایسا طرزِ زندگی اختیار کرنے نہیں دیا کہ لوگوں کو شبہ ہو کہ سرکاری خزانہ غلط طور پر استعمال ہو رہا ہو۔[۱۱]

ہم اپنی گذارشات حضور اکرم صلعم کے دو ارشادات کے ساتھ ختم کریں گے آپ نے فرمایا:

اللہ کے احکام وہی نافذ کر سکتا ہے جو نہ دوسروں کی نقالی کرے نہ مداہنت سے کام لے اور نہ ہی اہوا ز خواہشات کے پیچھے چلے اللہ کا حکم وہی نافذ کر سکے گا جس کے ڈول میں کبھی پانی کی کمی نہ آئے اور جو حق کے معاملے میں اپنی پارٹی سے نرمی نہ برتے۔[۱۲]

اس کا اندازہ اس حدیثِ نبوی سے کیا جا سکتا ہے حضور اکرم صلعم نے فرمایا:

جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کی بھلائی چاہتا ہے تو ان کا حکمران دانش مند لوگوں کو بنا دیتا ہے اور ان کا مال سخی لوگوں کے ہاتھوں میں دے دیتا ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کسی قوم کو آزمائش میں مبتلا کرنا چاہتا ہے۔ تو پھر ان پر نادان حکمران مسلط کر دیتا ہے اور ان کے مال بخیل لوگوں کے ہاتھوں میں دے دیتا ہے جو شخص کسی درجہ میں بھی میری امت کے معاملات کا نگران بنا اور اس نے ان کی ضروریات پورا کرنے میں نرم خوئی دکھائی اور اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت کی گھڑی آنے پر اس کے ساتھ لطف و کرم سے پیش آئے گا اور جو ان کی ضروریات سے بے تعلق ہو کر الگ بیٹھ رہا تو اللہ اس کی ضرورت اور محتاجی پر کوئی توجہ نہیں دیں گے۔[۱۳]

ایک اور حدیثِ مبارکہ میں آپؐ نے فرمایا:

امام ایک ڈھال ہے۔[۱۴]

اس کا مطلب یہی ہے کہ امام لوگوں کو ہر طرح کے ضرر، تکلیف اور نقصان سے بچانے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ میدانِ جنگ میں ایک ڈھال ایک مجاہد کو محفوظ رکھنے کے لیے جو کردار ادا کرتی وہ کردار خلیفہ نے ادا کرنا ہوتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حوالہ جات

۱ - بہت سے محققین نے اس کی وضاحت اپنی کتب میں کی ہے -

(i) - شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ

(ii) - ابو عبید القاسم بن سلام، کتاب الاموال، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، قاہرہ، ۱۹۸۱ء، ص ۱۱

(iii) - حامد الانصاری، مولانا، اسلام کا نظامِ حکومت، مکتبہ الحسن، لاہور، تیسرا ایڈیشن، ص ۱۴۳-۱۴۶

۲ - بحوالہ ابو عبید القاسم بن سلام، کتاب الاموال، ص ۱۱

۳ - ابن تیمیہ، السیاسۃ الشرعیۃ فی اصلاح الراعی والرعیۃ، دار الکتب العربیۃ، بیروت، ۱۳۸۶ھ، ص ۱۲

۴ - بحوالہ ابو القاسم بن سلام، کتاب الاموال، ص ۱۰

۵ - ابن تیمیہ، السیاسۃ الشرعیہ، ص ۱۳

۶ - مسلم، امام، الجامع الصحیح، (باب فضیلۃ الامیر العادل وعقوبۃ الجائر)، بیروت، ج ۶ ص ۹۰

۷ - ابن تیمیہ، السیاسۃ الشرعیہ، ص ۱۳

۸ - ایضاً، ص ۲۸ - ۲۹

۹ - ابن تیمیہ، السیاسۃ الشرعیۃ، ص ۲۸ - ۲۹

۱۰ - ابو عبید القاسم، کتاب الاموال، ص ۲۴۹

۱۱ - ایضاً، ص ۲۴۹

۱۲ - ابو داؤد، سنن ابی داؤد، (حکم ارض خیبر)، ج سوم، ص ۱۷۴

۱۳ - بخاری، محمد بن اسماعیل، امام، الجامع الصحیح، (کتاب الزہد)، دار الفکر، بیروت، ج ۵ ص ۲۱۸

۱۴ - تفصیلات کے لیے نور محمد، ڈاکٹر، نبی کریمؐ کی معاشی زندگی، لاہور، ص ۲۷۶ - ۲۸۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۵ - ابو عبید القاسم بن سلام، کتاب الاموال، ص ۲۴۷

۱۶ - ابو یوسف، کتاب الخراج، ص ۱۱۷

۱۷ - بحوالہ حفظ الرحمٰن سیوہاروی، اسلام کا اقتصادی نظام، ادارہ اسلامیات، لاہور، سنہ ۱۹۸۴ء، ص ۹۷

۱۸ - ابو عبید القاسم بن سلام، کتاب الاموال، ص ۲۴۸

۱۹ - ابن تیمیہ، السیاستہ الشرعیۃ، ص ۲۹

۲۰ - حسین ہیکل، عمر فاروق، ص ۲۱۲

۲۱ - ابن تیمیہ، السیاستہ الشرعیۃ، ص ۲۹

۲۲ - بحوالہ حفظ الرحمٰن سیوہاروی، اسلام کا اقتصادی نظام، ص ۱۲۹

۲۳ - ایضاً، ص ۱۲۸

۲۴ - ابو یوسف، کتاب الخراج، ص ۸۰

ابن عابدین، رد المحتار، ج ۳، ص ۳۳۹

۲۵ - کئی جدید مصنفین نے اس سلسلے میں تفصیلات جمع کی ہیں۔

(i) - نور محمد غفاری، ڈاکٹر، نبی کریمؐ کی معاشی زندگی، ص

(ii) - یوسف الدین، اسلام کے معاشی نظریے، کراچی، ۱۹۸۴ء

۲۶ - حمید اللہ، ڈاکٹر، خطبات بہاولپور، اسلام آباد، ۱۹۸۴ء، ص ۲۴۵

۲۷ - نور محمد غفاری، نبی کریمؐ کی معاشی زندگی، ص ۲۷۸

۲۸ - یوسف الدین، اسلام کے معاشی نظریے، ص ۲۹۸ تا ۳۰۶

مصنف نے فتوح البلدان، بلاذری کے حوالے سے تفصیلات پیش کی ہیں۔

۲۹ - اس سلسلے میں تفصیلات کے لیے دیکھیے ابو عبید القاسم بن سلام، کتاب الاموال، باب (التسویہ بین الناس فی الفیٔ)، ص ۲۴۶

۳۰ - ایضاً، ص ۲۴۵

۳۱ - ایضاً، ص ۲۴۵

۳۲ - ابن حزم، المحلّٰی، ج ۶، ص ۱۵۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۳ ۔ بنی اسرائیل ، ۲۶

۳۴ ۔ بحوالہ حفظ الرحمٰن سیوہاروی ، مولانا ، اسلام کا اقتصادی نظام ، ص ۱۲۴

۳۵ ۔ بحوالہ ایضاً ، ص ۱۲۴

اس سلسلے میں اگرچہ یہ نقطۂ نگاہ بھی موجود ہے کہ سربراہِ مملکت زکوٰۃ کے علاوہ ٹیکس عائد کرنے کا اختیار نہیں رکھتا۔ علماء نے اس نقطۂ نگاہ کی حمایت میں پیش آنے والی روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ لیکن ٹیکس کے جواز پر بھی فتاویٰ موجود ہیں۔

مولانا مودودی نے ٹیکس عائد کر سکنے کے جواز کا موقف اپنایا ہے۔ مولانا لکھتے ہیں کہ شریعت میں ایسی کوئی ہدایت موجود نہیں جس میں زکوٰۃ کے علاوہ ٹیکسوں کی ممانعت ہو اور ان کے خیال کے مطابق جس کام سے منع نہ کیا گیا ہو وہ مباح ہوتا ہے۔ ان کے بقول فقہاء میں ضحاک، ایک غیر معروف شخص کے سوا کوئی بھی عدم جواز کا قائل نہیں ہے۔ ماہنامہ بینات کراچی، ربیع الاوّل ۱۳۸۶ھ میں چھپنے والے ایک مضمون میں بھی اس کے جواز کا فتویٰ دیا گیا۔

۳۶ ۔ ابویوسف ، کتاب الخراج ، ص ۲۸۵ ۔ ۲۸۶

۳۷ ۔ ایضاً ، ص ۱۳۷

۳۸ ۔ ایضاً ، ص ۱۳۷

۳۹ ۔ شاہ ولی اللہ ، حجۃ اللہ البالغہ ، لاہور ، ۱۹۸۳ء ، حصّہ دوم ، ص ۷۰

۴۰ ۔ غزالی ، امام ، احیاء علوم الدّین ، مطبعہ مصطفیٰ البابی الحلبی مصر ، ۱۹۳۹ء ، ج ۲ ، ص ۱۴۴

۴۱ ۔ ابوعبید القاسم ، کتاب الاموال ، ص ۲۵۳

۴۲ ۔ ابوداؤد ، امام ، سنن ابی داؤد ، (کتاب الخراج والامارۃ والفئ) ، ج ۳ ، ص ۱۶۳

۴۳ ۔ ابوعبید القاسم ، کتاب الاموال ، ص ۳۴۴

۴۴ ۔ ابویوسف ، کتاب الخراج ، ص ۱۳۲

۴۵ ۔ ابوعبید القاسم ، کتاب الاموال ، ص ۲۵۳

۴۶ ۔ بحوالہ مودودی ، مولانا ، معاشیاتِ اسلام ، ص ۲۰۸

۴۷ ۔ ابوعبید القاسم ، کتاب الاموال ، ص ۲۵۳ ، ابوداؤد ، سنن ابی داؤد ، ج ۳ ، ص ۱۶۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۸ - ابوعبید القاسم، کتاب الاموال، ص ۲۵۶

۴۹ - ایضاً، ص ۲۵۷

۵۰ - ابویوسف، کتاب الخراج، ص ۱۳۳ - ۱۳۴

۵۱ - ایضاً، ص ۲۴۶

۵۲ - ایضاً، ص ۱۴۱

۵۳ - ابوعبید القاسم، کتاب الاموال، ص ۲۵۷

۵۴ - مسلم، امام، الجامع الصحیح، کتاب المساقاۃ المزارعۃ۔ باب تحریم الظلم وغصب الارض

۵۵ - ابوعبید القاسم، کتاب الاموال، ص ۲۵۷

۵۶ - ابویوسف، کتاب الخراج، ص ۲۵۶ - اس سلسلے میں کتابِ مذکور کا باب ہشتم، فصل پنجم (احیاء موات کے احکام) میں متعدد احادیث و روایات موجود ہیں)

۵۷ - ایضاً، ص ۲۴۵

۵۸ - ایضاً، ص ۲۵۷

۵۹ - الفتاویٰ الہندیہ، مطبع میمنیہ، قاہرہ، ص ۱۳۲۳ (کتاب احیاء الموات)

۶۰ - مودودی، مولانا، معاشیاتِ اسلام، ۲۱۳

۶۱ - ابوعبید القاسم، کتاب الاموال، ص ۲۵۶

۶۲ - ایضاً، ص ۲۵۵

۶۳ - مودودی، مولانا، معاشیاتِ اسلام، ص ۳۸۸

۶۴ - شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، حصہ دوم، ص ۷۰۴ - ۶۴۶ بحوالہ ماہنامہ نوائے قانون اسلام آباد، ستمبر اکتوبر ۱۹۹۳ء

۶۵ - نظام الدین الشاشی، کراچی، ص ۱۴۸

۶۶ - اس سلسلے میں مقالہ کے آغاز میں تفصیلی بات کر دی گئی ہے۔

۶۷ - حضور اکرم صلعم نے فرمایا:

ان السعر غلاؤہٗ وَرُخصُہٗ بید اللہ وَاِنّی اُرِیدُ ان اَلقی اللہ ولیس لاحد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عندی مظلمة یطلبنی بها۔

ترجمہ: قیمتوں کا چڑھنا اور گرنا اللہ کے ہاتھ میں ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اپنے اللہ سے علوں تو اس حال میں علوں کہ کوئی شخص میرے خلاف ظلم و بے انصافی کی شکایت کرنے والا نہ ہو۔

ایک موقع پر لوگ قحط کا شکار ہو گئے۔ حضورؐ سے درخواست کی گئی کہ آپ اشیاء کی قیمتیں مقرر فرما دیں۔ آپؐ نے جواب میں فرمایا:

یسئلنی اللہ عن سنة احدثتها علیکم لم یأمرنی بها ولکن سلوا اللہ من فضله۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ مجھ سے ایسے طریقے کے بارے میں سوال کرے گا جس کا اس نے مجھے حکم نہ دیا ہو اور میں اسے اپنی طرف سے اختراع کر لوں بلکہ تم اللہ سے اس کے فضل کے لیے دعا کیا کرو۔ (کنزل العمال، حدیث ۱۳۱۶۴)

اسی طرح ابو داؤد شریف کی کتاب البیوع میں بھی ایک تفصیلی حدیث موجود ہے کہ قدرتی عوامل کی وجہ سے پیدا ہونے والی مہنگائی کی وجہ سے حضورؐ نے قیمتیں مقرر فرمانے سے انکار کر دیا تھا۔

۶۸۔ ابن تیمیہ، الحسبة فی الاسلام۔

۶۹۔ برہان الدین مرغینانی، الہدایہ (باب الکراهیة)، ج ۴، ص ۶۹

۷۰۔ ابن تیمیہ، الحسبة فی الاسلام۔

۷۱۔ ایضاً

۷۲۔ برہان الدین مرغینانی، الہدایہ مطبعہ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر، ۱۹۳۶ء، ج ۳، ص ۲۰۵، (باب الحجر للفساد)

اس سلسلے میں تفصیلات کے لیے دیکھئے:

الہدایہ، ج ۳، ص ۲۰۵ - ۲۰۶

ابن رشد، بدایة المجتہد، مطبعہ الاستقامة، قاہرہ، ۱۹۲۸ء، ص ۲۷۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محمد محترم فہیم ، اسلامی معیشت کے چند نمایاں پہلو ، اسلامک پبلیکیشنز ، لاہور ، ۱۹۷۹ء ص ۳۰ تا ۴۸

۷۳ - حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے بارے میں شکایت ملی کہ وہ اپنی لونڈی کو اچھا کھانا کھلاتے ہیں ۔ ان سے یہ لونڈی چھین لی گئی ۔ عیاض بن غنم کے بارے میں پتہ چلا کہ وہ باریک کپڑے پہنتے ہیں تو انہیں مرکز میں بند کر کمبل کا کرتہ پہنایا اور بکریاں چرانے بھیج دیا ۔ سعد ابن ابی وقاصؓ کے مکان کی ڈیوڑھی گرا دی کہ لوگوں کو گورنر سے ملنے میں دقت ہوتی ہے ۔ جب کوئی عامل مقرر کیا جاتا تو اسے واضح طور پر حکم دیا جاتا وہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا ۔ باریک کپڑے نہیں پہنے گا ۔ چھنا ہوا آٹا نہیں کھائے گا ۔ دروازے پر دربان نہیں کھڑا کرے گا ۔ اہلِ حاجت کے لیے اپنا دروازہ کھلا رکھے گا ۔

۷۴ - ماخوذ از محترم فہیم ، اسلامی معیشت کے چند نمایاں پہلو ، ص ۳۰ - ۴۸

۷۵ - ابوعبید القاسم بن سلام ، کتاب الاموال ، ص ۲۵۰

۷۶ - اس کی کچھ تفصیلات حوالہ ۷۳ میں دی گئی ہیں ۔ مزید مطالعہ کے لیے دیکھئے حسین ہیکل ، عمر فاروق

۷۷ - بحوالہ ابویوسف ، کتاب الخراج ، ص ۱۱۹

۷۸ - ایضاً

۷۹ - مسلم ، الجامع الصحیح (باب الامام جُنّۃ) ، بیروت ، ج ۶ ، ص ۷

© rasailojaraid.com